یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے

جاوید اختر بھٹی

اردو کے سب سے بڑے ادیب پریم چند نے' جو نظریاتی طور پر کانگریسی تھے۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں بہتر رائے رکھتے تھے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔

انھوں نے کہا تھا:

''یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تلوار کی طاقت سے کوئی مذہب نہیں پھیلتا۔ بھارت میں اسلام پھیلنے کی وجہ اونچی جاتیوں کے ہندوؤں کا نیچی جاتی کے ہندوؤں پر مظالم تھے۔ اسلام کی آغوش میں آتے ہی تمام ناپاکیاں اور نابرابریاں دھل جاتی تھیں۔ وہ مسجد میں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا تھا۔ بڑے بڑے سید زادے ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کر سکتے تھے۔ وہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ فلاں شخص کیسا اور کس طبقے کا مسلمان ہے وہاں سبھی مسلمان ہیں۔ اس لیے نیچوں (ہندوؤں کے نچلے طبقے) نے اس نئے مذہب کا خوشی سے استقبال کیا اور گاؤں کے گاؤں مسلمان ہو گئے۔ ان کی نظر میں اسلام ایک فاتح دشمن نہیں۔ ایک فراخ دل مذہب تھا۔ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنے خصائل کے ظہور کی طاقت پر پھیلا۔ اس لیے پھیلا کہ اس کے یہاں سبھی انسانوں کے حقوق برابر ہیں۔''

پریم چند کے بعد اگر قائداعظم کے اقوال دیکھیں تو عقیدے کی پختگی نظر آتی ہے۔

''ہندوستانی تاریخ کی ہزار سالہ زندگی ہندو مسلم اتحاد کو قائم کرنے میں ناکام رہی۔ ہندوستان ہمیشہ دو حصوں میں منقسم رہا۔ ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان۔ (لاہور مارچ ۱۹۴۰ء)

.....

ہندو اور مسلمانوں کے فرق کی جڑیں بڑی گہری اور ناقابل تنسیخ ہیں۔ ہم ایک الگ قوم ہیں۔ جس کا اپنا منفرد کلچر اور تہذیب' زبان اور ادب' آرٹ کا فن عمارت سازی' نام اور شجرہ' احساس قدر اور مناسب' قانون اور اخلاقی قواعد' رسم و رواج اور کلینڈر' تاریخ اور روایت' خیالات اور خواہشات ہیں (۱۹۴۲ء)

ایک اقتباس راجا صاحب محمود آباد کا پیش کرتا ہوں۔ اس میں الگ وطن کے مطالبے کے ساتھ جذبہ ایمانی شدت سے موجود ہے اور راجا صاحب اسلام کے سچے سپاہی نظر آ رہے ہیں۔

انھوں نے فرمایا:

''کروڑوں بنیوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ جماعت جس نے کبھی سپاہیوں کی طاقت پر ہندوستان فتح کیا تھا۔ آج بھی شرطیں منوا سکتی ہے۔ تاریخ عالم میں اس مسلم قوم کی آج بھی ایک بنیاد ہے اور شور مچانے والے قلم گھسیٹو جیسے ہندو ہماری مخالفت کی ہمت کرتے ہیں۔ تو ان کا نام و شان اس دنیا سے مٹا دیا جائے گا۔'' (راجہ محمود آباد۔ اترگا تھا۔ شمارہ ۱۰، ۱۱)

ایسے شمار بیانات' مضامین اور تقریروں سے ہماری آزادی کی تحریک بھری ہوئی ہے۔ ہم شکل وصورت اور لباس دیکھ کر اندازہ کرتے ہیں کہ کوٹ پتلون پہنے والا شخص سیکولر ہوسکتا ہے۔ بہت سے پڑھے لکھے ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کی سرزمین پر تباہی مچادی کہ رہے نام اللہ کا۔ صدیوں پرانے رشتے اور تعلق ختم ہوگئے۔ ہندو' سکھ' اور مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے۔

میری ماں ایک اَن پڑھ عورت تھی۔ اسے قصہ کہانیاں کم ہی آتے تھے۔ وہ ساری زندگی مجھے اور میرے دوسرے بہن بھائیوں کو ہجرت کے قصے سناتی رہی۔ آخر وقت تک اس کے دل میں ہجرت کا ایک خوف تھا۔ وہ اپنی ہندو سہیلیوں کو یاد کیا کرتی تھی۔

ضیاء الحق کا دور آمریت تھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات قدرے بہتر ہوئے تھے۔ دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوئی تو میں اپنی ماں سے کہا اگر آپ نے ہندوستان جانا ہو تو بتائیں۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے کہا کیوں؟ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ ہر شام اس گھر کا ذکر کرتی تھی۔ جسے اس نے ہجرت کے وقت چھوڑا تھا۔

میری ماں نے کہا۔ ''جب انھوں نے ہمیں وہاں رہنے ہی نہیں دیا۔ تو انہیں مل کر کیا کریں گے؟'' یہ بات درست تھی۔ میری ماں نے اس کا اظہار بہت دکھ اور کرب کے ساتھ کیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب حکومت سیاسی طور پر ناکام ہوگئی۔ تو فوج کشی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں سیاسی طور پر ناکام ہوگئے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ناکام ہوئے اور آج پاکستان میں ناکام ہو رہے ہیں اور جب فوج بونیر' مالاکنڈ اور سوات میں داخل ہوئی تو لاکھوں لوگ ہجرت پر مجبور ہوگئے اور اب ایک حکومتی بیان میں کہا گیا ہے کہ ان مہاجروں کی واپسی اور بحالی کو پانچ سال لگ سکتے ہیں۔

میری ماں جو واقعات سنایا کرتی تھی اس میں ایک ملک کے تقسیم ہونے کا ذکر آتا تھا لیکن اب تو لوگ اپنے وطن میں بے گھر ہو رہے ہے۔ ہجرت کرتے ہوئے ان لوگوں پر اس شک کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے کہ ان میں طالبان فرار ہو رہے ہیں۔ دراصل حکومت ابتداء ہی سے اپنی گرفت مضبوط نہ کرسکی۔ اسے کبھی فوج کی طرف دیکھنا ہوتا ہے اور کبھی امریکہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ عوام کی حیثیت تو غلاموں کی سی ہے۔ کسی بھی شہر کو خالی کرنے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ ہجرت کسی وقت مسلط ہوسکتی ہے۔ داستانیں کسی لمحے جنم لے سکتی ہیں۔ اب گھروں سے مہاجر کیمپ زیادہ دور نہیں رہے۔ سوات سے جو لوگ آرہے ہیں ان کے پاس بہت معمولی سامان ہے۔ اور وہ اپنے بھرے ہوئے گھر چھوڑ آئے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے

گھروں میں کب واپس جائیں گے۔

امریکہ کی اجازت سے ہمیں وطن عزیز میں وہ خامی تلاش کرنی چاہیے۔جس نے ہمیں دہشت گرد مشہور کر دیا ہے۔مشہور کیا کر دیا ہم دہشت گرد ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم پرامن شہری بھی ہیں۔ہم میں بیک وقت دونوں ''خوبیاں'' ہیں۔اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ دہشت گرد رہنا چاہتے ہیں یا پرامن شہری۔

دہشت گردوں کو خفیہ طاقتیں اسلحہ اور سرمایہ دیتی ہیں تو پرامن شہریوں کو حکومت اور این جی اوز تحفظ فراہم کرتے ہیں۔میڈیا تو یہی تاثر دیتا ہے اور حکومت بھی اسی طرح کی بات کرتی ہے۔اس کے بعد مزید تصدیق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔لیکن اس کے باوجود میں اپنے گھر میں خوف زدہ ہوں۔میں انتظار کر رہا ہوں۔ہجرت اور نقل مکانی کے اعلان کا مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ مجھے کہاں رکھا جائے گا اور میرا کیمپ کہاں بنایا جائے گا۔اور مجھے کتنی دور پیدل چلنا ہوگا۔کیا میں طویل مسافت طے کر سکوں گا یا راستے میں گر جاؤں گا۔اخبار میں ایک بھوکے اور تھکے ہارے شخص کی تصویر شائع ہوگی اور میری تصویر ہوگی۔یہ سب اس لیے ہوگا کہ میں بہت جانتا ہوں کہ میرے وطن میں امن نایاب ہے۔

میری ماں نے کہا تھا ہجرت میں بہت دور پیدل چلنا پڑتا ہے۔پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔میں بار بار اپنے پاؤں دیکھتا ہوں کہ ان میں مسافت کا دم ہے؟ ان میں چھالوں کی سکت ہے؟ ان میں چلنے کا حوصلہ ہے؟

حاکم سے کہو کوئی تدبیر کرے؛ رعایا بہت دکھی ہے۔

حاکم سے کہو بانسری بجائے؛ تمام حاکم ایسا ہی کرتے ہیں۔

حاکم سے کہو اپنی فوج میں اضافہ کرے؛ حاکم کو ایسا کرنا چاہیے۔

حاکم سے کہو وہ صرف جنگ لڑے؛ تاکہ اس کی طاقت بڑھے۔

حاکم سے کہو وہ اپنے محل میں چلا جائے اور عیش کی زندگی بسر کرے۔ہمیں اس کی زندگی بہت عزیز ہے۔

ایک سیانے نے کہا تھا۔''ہر شخص جسے میں ملتا ہوں۔اس کے چہرے پر نقاہت و غم کے نشانات ہوتے ہیں۔''

لیکن حاکم کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے چہرے نہ دیکھے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501